U34574

12-12-09

Title - DASWEIN IMAM.

Creator - Sayyed Ali Naqi

Publisher - Yusufi (Lucknow).

Date - 1947.

Pages - 16

Subject - Tazkira Aima.

دسویں امام

مصنفہ

سید العلماء جناب مولانا

سید علی نقی صاحب قبلہ

تعارف

کتاب کا نام ہی بتاتا ہے کہ اس کا موضوع امام علی نقی علیہ السلام کے حالات زندگی ہیں۔ جتنے ائمہ کرام گزرے اُن کے مقابلے میں آپ کو سب سے زیادہ کم سنی میں امامت کے انجام دینا پڑے۔ آپ کی عمر اپنے والد بزرگوار امام محمد تقی علیہ السلام کے انتقال کے وقت صرف پانچ مہینے کی تھی مگر ہر حیثیت سے آپ کی عقل، آپ کا کردار اور آپ کا تدبر اتنا ہی بالغ تھا جتنا کسی زیادہ عمر کے امام کا تھا۔ اس کا سب سے مضبوط ثبوت یہ ہے کہ اگر کم سنی کی وجہ سے آپ میں معاذ اللہ طرح کی کمیاں ہوتیں تو حکومت وقت اُن سے ضرور فائدہ اٹھاتی۔ وہ چاہے کتنی ہی بے حقیقت اور کتنی ہی ذرا سی بات ہوتی پھر بھی دشمن کے ہاتھ کا قلم رائی کا پہاڑ بنا کر بڑی شدت سے مطعون کر دیتا مگر دنیا کی تاریخیں شاہد ہیں کہ آپ سے متعلق کسی کم زوری کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ کم زوری ہو کیسے، مالک ارض و سما اپنے بنائے ہوئے زندگی کے نظام کو جن دماغوں اور جن ہاتھوں سے چلانا چاہے وہ جو عالم الغیب ہے، جس نے کائنات عالم کے ذرے ذرے کی تخلیق کی ہے، جس کے سامنے ہر چیز موجود اور جو جس میں ہے وہ اُسی کا کیا ہوا ہے، وہ اور کل نوع انسانی میں سے چند فردوں کو منتخب کرے۔ اور اس کے انتخاب میں کوئی کمی رہ جائے، اس کا امکان ہی نہیں ہے۔

امام علی نقی علیہ السلام کو چھ بادشاہوں کے زمانوں سے گزرنا پڑا۔ ہر ایک بادشاہ نے اپنے اپنے زمانے میں آپ سے متعلق اپنے طرز عمل کو مختلف رکھا۔ بعض نے آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ کسی نے قید کر دیا، کسی نے کچھ آسانیاں کر دیں، کسی نے نظر بند کر دیا اور جب ان شدائد پر بھی آپ کے مسلک کی گرانی کم نہ ہوئی تو آخر میں اُسی حربے سے لیا گیا جو تقریباً ہر امام کے خلاف استعمال کیا گیا تھا، یعنی زہر دے کر آپ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ حکومتوں کا یہ عمل حقیقت میں اُن کی حد کی شکست کا ثبوت ہے۔ وہ زہر دے کر اماموں کی زندگیوں کو تو ختم کر دیتی تھیں مگر خدا کی قسم اُن کو اپنی بے انتہا بے بسی اور بے چارگی کا احساس بھی ضرور ہوتا ہوگا کہ ایک تنہا انسان جس کا بظاہر کوئی حامی مددگار نہیں ہے اُس پر ہم قابو نہ پا سکے، اُس کو ہم اپنی مرضی کے مطابق نہ بنا سکے، اُس کے مقابلے میں ہماری ہر طرح کی لامحدود طاقتیں بے حقیقت ہو کر رہ گئیں اور اپنا رنگ کا انس کھو بیٹھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ چاہے کتنے ہی زمانے کے لیے سہی مگر انھیں اپنے سے بدرجہا بلند ایک خدائی طاقت کا خیال بھی یقیناً ہوتا ہوگا۔ حکومت کے نشے سے سرشار قوت کے پجاری دماغوں میں یہ احساس پیدا کرانا ہمارے ائمہ کا کیا کوئی کم بڑا کارنامہ ہے۔

سید آفاق حسین رضوی آنریری سکریٹری
۱۹ر فروری [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین وآلہ الطاہرین

آل رسول میں سے ہر ایک فرد جو مسلمانوں کی سچی رہنما بن سکتی تھی اپنے زمانہ کی مادی سلطنت کے ظلم و تعدی کا نشانہ رہی۔ اس کے باوجود انھوں نے شریعت اسلام کی حفاظت و حمایت کے فرض میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور سخت سے سخت حالات میں بھی قدم استقلال میں جنبش نہیں آئی۔ اسی لیے اُن میں سے ہر ایک بزرگ کی سیرت زندگی عملی دنیا میں ہمارے دل میں ہمت، عزم میں پختگی اور قدم میں استقلال پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بالخصوص ایسے وقت جب کہ ہر طرف سے تباہیاں اور بربادیاں امنڈ امنڈ کر چھا رہی ہیں اور ہمارے آرام، سکون اور زندگی تک کو دھمکیاں دے رہی ہیں۔ ایسے رہنمایانِ دین کے حالات زندگی کے پیش ہونے کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اسی لیے "دسویں امامؑ" کے حالات میں یہ رسالہ تحریر کیا جا رہا ہے۔

نام و نسب اسم مبارک علی، کنیت، ابوالحسن اور لقب نقی ہے۔ چونکہ آپ سے پہلے حضرت علی مرتضیٰؑ اور امام رضاؑ کی کنیت ابوالحسن ہو چکی تھی اس سبب آپ کو "ابوالحسن ثالث" کہا جاتا ہے۔ والدہ معظمہ آپ کی سمانہ خاتون تھیں۔

ولادت اور نشوونما

۵ رجب سنہ ۲۱۴ھ مدینۂ منورہ میں ولادت ہوئی۔ حضرت چھ برس اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ زندگی بسر کی۔ اس کے بعد کمسنی ہی کے عالم میں آپ اپنے والد بزرگوار سے جدا ہو گئے۔ امام محمد تقیؑ کو عراق کا سفر درپیش ہوا اور وہیں ۲۹ ذی قعدہ سنہ ۲۲۰ھ میں حضرت کی وفات ہو گئی جس کے بعد امامت کی ذمہ داریاں امام علی نقیؑ کے کاندھے پر آ گئیں۔ اس صورت میں سوائے قدرت کی آغوشِ تربیت کے اور کون گہوارہ تھا جسے آپ کے علمی اور عملی کمال کی بلندیوں کا مرکز سمجھا جا سکے۔

انقلابات سلطنت

حضرت امام علی نقیؑ کا دورِ امامت معتصم عباسی کے زمانۂ سلطنت سے شروع ہوا۔ سنہ ۲۲۷ھ میں معتصم کا انتقال ہوا اور واثق باللہ کی حکومت شروع ہوئی۔ سنہ ۲۳۲ھ میں واثق دنیا سے رخصت ہوا اور مشہور ظالم و سفاک، دشمن اہلبیت متوکل تخت حکومت پر بیٹھا۔ سنہ ۲۴۷ھ میں متوکل ہلاک ہوا اور منتصر باللہ خلیفہ تسلیم کیا گیا جو صرف چھ مہینہ سلطنت کرنے کے بعد مر گیا۔ مستعین باللہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ سنہ ۲۵۲ھ میں مستعین کو حکومت سے دست بردار ہو کر جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور معتز باللہ بادشاہ ہوا یہی امام علی نقیؑ کے زمانہ کا آخری بادشاہ ہے۔

آلام و مصائب

معتصم نے خود اپنی ملکی پریشانیوں کی وجہ سے جو اسے رومیوں کی جنگ اور بغداد کے دار السلطنت میں عباسیوں کے فساد وغیرہ کی وجہ سے درپیش تھیں اور خواہ امام علی نقیؑ کی کم سنی کا خیال کرتے ہوئے بہر حال حضرت سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ سکون و اطمینان کے ساتھ مدینہ منورہ میں اپنے فرائض پورے کرنے میں مصروف رہے۔

معتصم کے بعد واثق نے بھی آپ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ مگر متوکل کا

تخت سلطنت پر بیٹھا تھا کہ امام علی نقیؑ پر تکالیف و مصائب کا سیلاب امنڈ آیا یہ واثق کا بھائی اور معتصم کا بیٹا تھا اور آل رسول کی دشمنی میں اپنے تمام آباؤ اجداد سے بڑھا ہوا تھا۔

اس سولہ برس میں کہ جب سے امام علی نقیؑ منصب امامت پر فائز ہوئے تھے آپ کی شہرت تمام مملکت اسلامیہ میں پھیل چکی تھی اور تعلیمات اہلبیت کے پروانے اس شمع ہدایت پر برابر ٹوٹ رہے تھے ابھی متوکل کی سلطنت کو چار برس ہوئے تھے کہ مدینہ کے حاکم عبداللہ بن حاکم نے امام سے مخالفت کا آغاز کیا۔ پہلے تو خود حضرت کو مختلف طرح کی تکلیفیں پہنچائیں پھر متوکل کو آپ کے متعلق اسی طرح کی باتیں لکھیں جیسی سابق سلاطین کے پاس آپ کے بزرگوں کی نسبت ان کے دشمنوں کی طرف سے پہنچائی جاتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت اپنے گرد و پیش اسباب سلطنت جمع کر رہے ہیں آپ کے ماننے والے اتنی تعداد میں بڑھ گئے ہیں کہ آپ جب چاہیں حکومت سے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو سکتے ہیں

حضرت کو اس تحریر کی بروقت اطلاع ہو گئی اور آپ نے اتمام حجت کے طور پر اسی کے ساتھ متوکل کے پاس اپنی جانب سے ایک خط تحریر فرما دیا جس میں حاکم مدینہ کی اپنے ساتھ ذاتی مخالفت کا تذکرہ اور اس کی غلط بیانیوں کا اظہار فرمایا تھا۔ متوکل نے از راہ سیاست امام علی نقیؑ کے خط کو وقعت دیتے ہوئے مدینہ کے اس حاکم کو معزول کر دیا۔ مگر ایک فوجی رسالے کو یحییٰ بن ہرثمہ کی قیادت میں بھیج کر حضرت سے بظاہر دوستانہ انداز میں باصرار یہ خواہش کی کہ آپ مدینہ سے دار السلطنت سامرہ تشریف لا کر کچھ دن قیام فرمائیں اور پھر واپس تشریف لے جائیں۔

امام علیہ السلام اس التجا کی حقیقت سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے یہ نیاز مندانہ دعوتِ تشریف آوری حقیقت میں جلاوطنی کا حکم ہے مگر انکار کا کوئی حاصل نہ تھا جب کہ انکار کے بعد اسی طلبی کے انداز کا دوسری شکل اختیار کر لینا یقینی اور اس کے بعد روانگی ناگزیر ہے۔ ترک مدینہ سے ہمانیہ کے لیے جدا ہونا آپ کے قلب کے لیے ویسا ہی تکلیف وہ ایک صدمہ تھا جسے اس کے پہلے حضرت امام حسینؑ، امام موسیٰ کاظمؑ، امام رضاؑ اور امام محمد تقی علیہ السلام آپ کے مقدس اور بلند مرتبہ اجداد برداشت کر چکے تھے۔ وہ اب آپ کے لیے ایک میراث بن چکا تھا۔ پھر بھی دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ مدینہ سے روانگی کے وقت آپ کے تاثرا اتنے شدید تھے جس سے احباب اصحاب میں ایک کہرام برپا تھا۔

متوکل کا عریضہ بارگاہ امام میں بڑے اخلاص اور اشتیاق قدم بوسی کا مظہر تھا۔ فوجی دستہ ضرور بھیجا گیا تھا۔ مگر وہ بہ ظاہر سواری کے تزک و احتشام اور امام کی حفاظت کا ایک سامان تھا۔ مگر جب حضرت سامرے میں پہنچ گئے اور متوکل کو اس کی اطلاع دی گئی تو پہلا ہی اس کا افسوسناک رویہ یہ تھا کہ بجائے امام کے استقبال یا کم از کم اپنے یہاں بلا کر ملاقات کرنے کے اس نے حکم دیا کہ حضرت کو "خان الصعالیک" میں اتارا جائے۔ اس لفظ کے معنی ہی ہیں "بھیک مانگنے والے گداؤں کی سرا" اس سے اس جگہ کی نوعیت کا پورے طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ شہر سے دور ویرانے میں ایک کھنڈر تھا جہاں امام کو فروکش ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اگرچہ مقدس حضرات خود فقرا کے ساتھ ہم نشینی کو اپنے لیے عار و ننگ نہیں سمجھتے تھے اور تکلفات ظاہری سے کنارہ کش رہتے تھے مگر متوکل کی نیت تو اس طرز عمل سے بہر حال تحقیر کے سوا اور کوئی نہیں تھی۔ تین دن تک حضرت کا قیام یہاں رہا اس کے بعد متوکل نے آپ کو اپنے حاجب زرّافی کی حراست میں نظر بند کر دیا اور عوام کے لیے آپ سے ملنے جلنے

کو ممنوع قرار دیا۔

وہی بے گناہی اور حقانیت کی کشش جو امام موسیٰ کاظمؑ کی قید کے زمانہ میں سخت سے سخت محافظین کو کچھ دن کے بعد آپ کی رعایت پر مجبور کر دیتی تھی اُسی کا اثر تھا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد زراقی کے دل پر امام علی نقیؑ کی عظمت کا سکّہ قائم ہو گیا اور وہ آپ کو تکلیف دینے کے بجائے آرام و راحت کے سامان بہم پہنچانے لگا۔ مگر یہ بات متوکل سے زیادہ عرصہ تک چھپ نہیں سکتی تھی۔ اُسے علم ہو گیا اور اس نے زراقی کی قید سے نکال کر حضرت کو ایک دوسرے شخص سعید کی حراست میں دے دیا۔ یہ شخص بے رحم اور امام کے ساتھ سختی برتنے والا تھا۔ اسی لیے اس کے تبادلے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اور حضرت پورے بارہ برس اس کی نگرانی میں مقید رہے۔ ان تکالیف کے ساتھ جو اس قید میں تھے حضرت شب و روز عبادت الٰہی میں بسر کرتے تھے۔ دن بھر روزہ رکھنا اور رات بھر نمازیں پڑھنا معمول تھا آپ کا جسم کتنے ہی قید و بند میں رکھا گیا ہو مگر آپ کا ذکر چار دیواری میں محصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ آپ تو تنگ و تاریک کوٹھری میں مقید تھے مگر آپ کا چرچا سامرے بلکہ تمام عراق کے ہر گھر میں تھا اور آپ جیسے بلند سیرت و کردار کے انسان کو قید رکھنے پر خلق خدا میں متوکل کے مظالم سے نفرت برابر پھیلتی جا رہی تھی۔

اب وہ وقت آیا کہ فتح ابن خاقان باوجود آل رسول سے محبت رکھنے کے صرف اپنی قابلیت اپنے تدبّر اور اپنی دماغی و عقلی صلاحیتوں کی بنا پر متوکل کا وزیر ہو گیا تو اس کے کہنے سننے سے متوکل نے امام علی نقیؑ کی قید کو نظر بندی سے تبدیل کر دیا اور آپ کو ایک زمین دے کر مکان تعمیر کرنے اور اپنے ذاتی مکان میں سکونت کی اجازت دے دی۔ مگر اس شرط سے کہ آپ سامرے سے باہر نہ جائیں گے اور سعید آپ کے نقل و حرکت اور مراسلات و ملاقات

کی نگرانی کرنا ہوگا۔

اس دور میں بھی امامؑ کا استغنائے نفس دیکھنے کے قابل تھا باوجود دار السلطنت میں مستقل طور پر قیام کے، نہ کبھی متوکل کے سامنے کوئی درخواست پیش کی، نہ کبھی کسی قسم کے ترحم یا تکرم کی خواہش ظاہر کی۔ وہی عبادت و ریاضت کی زندگی جو قید کے عالم میں تھی اس نظر بندی کے دور میں بھی رہی جو کچھ تبدیلی ہوئی تھی وہ ظالم کے رویہ میں تھی مظلوم کی شان جیسے پہلے تھی۔ ویسی ہی اب بھی قائم رہی اس زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ امام کو بالکل آرام و سکون کی زندگی بسر کرنے دی جاتی۔ مختلف طرح کے تکالیف سے آپ کو دوچار ہونا پڑتا تھا جسمانی سے زیادہ روحانی ہوتے تھے۔ مثلاً یہ کہ آپ کے مکان کی تلاشی لی گئی کہ وہاں اسلحہ ہیں یا ایسے خطوط ہیں جن سے حکومت کی مخالفت کا ثبوت ملتا ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی چیز ملی نہیں۔ مگر یہ تلاشی ہی ایک بلند اور بے گناہ انسان کے لیے کتنی باعث تکلیف چیز ہے اس سے بڑھ کر یہ واقعہ کہ دربار شاہی میں عین اس وقت آپ کی طلبی ہوتی ہے جب کہ شراب کے دور چل رہے ہیں، متوکل اور تمام حاضرین دربار طرب و نشاط میں غرق ہیں، اس پر طرّہ یہ کہ سرکش، بے غیرت اور جاہل بادشاہ حضرت کے سامنے جام شراب بڑھا کر پینے کی درخواست کرتا ہے۔

شریعت اسلام کے محافظ معصوم کو اس سے جو تکلیف پہنچ سکتی ہے وہ تیر و خنجر سے یقیناً زیادہ ہے مگر حضرت نے نہایت متانت اور صبر و سکون کے ساتھ فرمایا کہ "مجھے اس سے معاف کیجیے، میرا اور میرے آباؤ اجداد کا خون اور گوشت اس سے کبھی مخلوط نہیں ہوا ہے۔"

اگر متوکل کے احساسات میں کچھ بھی زندگی باقی ہوتی تو وہ اس معصومانہ مگر پُر شکوہ

جواب کا اثر ضرور قبول کرتا، مگر اس نے کہا کہ اچھا یہ نہیں تو کچھ گانا ہی ہم کو سنائیے۔

حضرت نے فرمایا "میں اس فن سے بھی واقف نہیں ہوں"

آخر اُس نے کہا کہ آپ کو کچھ اشعار جس طریقے سے بھی آپ چاہیں بہرحال پڑھنا ضرور پڑیں گے۔

کوئی جذبات کی رو میں بہنے والا انسان ہوتا تو اُن خفیف الحرکات بادشاہ کے ان حقارت انگیز یا تمسخر آمیز برتاؤ سے متاثر ہو کر شاید اپنے توازن دماغی کو کھو دیتا مگر وہ تو حلم و وقار امام کی ہستی تھی جو اپنے کردار کو فرائض کی مطابقت سے تکمیل تک پہنچانے کی ذمہ دار تھی۔ منہیات کے دائرہ سے نکل کر جب فرمائش اشعار سنانے تک پہنچی تو امام نے موعظہ و تبلیغ کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اپنے دل سے نکلی ہوئی پُر صداقت آواز سے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیے جنھوں نے محفل طرب میں مجلس وعظ کی شکل پیدا کر دی :۔

باتوا على قلل الاجبال تحرسهم — غلب الرجال فما اغنتهم القلل

رہے پہاڑوں کی چوٹی پہ پہرے بٹھلا کر — بہادروں کی حراست میں بچ سکے نہ مگر

واستنزلوا بعد عز من معاقلهم — الى مقابرهم يا بئس ما نزلوا

بلند قلعوں کی عزت جو پست ہو کے رہی — تو کنج قبر میں منزل بھی کیا بُری پائی

ناداهم صارخ من بعد ما دفنوا — اين الاسرة والتيجان والحلل

صدا یہ اُن کو دی ہاتف نے بعد دفن لحد — کہاں ہیں تخت، وہ تاج اور وہ لباس جسد

اين الوجوه التي كانت محجبة — من دونها تضرب الاستار والكلل

کہاں وہ چہرے ہیں جو تھے ہمیشہ زیر نقاب — غبار جن پہ کبھی آنے دیتے تھے نہ حجاب

فافصح القبر عنهم حين سائلهم — تلك الوجوه عليها الدود تنتقل

زبانِ حال سے بولے جواب میں مدفون — وہ رخ زمین کے کیڑوں کا بن گئے مسکن

قد طال ما اکلوا فیھا و ھم شربوا — فاصبحوا بعد طول الاکل قد اکلوا

غذائیں کھائیں، شرابیں جو پی تھیں جدی ہوا — نتیجہ اس کا یہی خود آج بن گئے وہ غذا

اشعار کچھ ایسے شفیق تاثرات کے ساتھ امام کی زبان سے ادا ہوئے تھے کہ متوکل کے عیش و نشاط کی بساط الٹ گئی شراب کے پیالے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور تمام مجمع زار و قطار رونے لگا۔ یہاں تک کہ خود متوکل ڈاڑھیں مار مار کر بے اختیار رو رہا تھا۔ جوں ہی ذرا رونا موقوف ہوا اس نے امام کو رخصت کر دیا اور آپ اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔

ایک اور نہایت شدید روحانی تکلیف جو امام کو اس دور میں پہنچی وہ متوکل کے ظالمانہ احکام تھے جو نجف اور کربلا کے زائرین کے خلاف اس نے جاری کیے تھے۔ اس نے یہ حکم عام تمام قلمرو حکومت میں جاری کر دیا کہ کوئی شخص جناب امیرؑ اور امام حسینؑ کے روضوں کی زیارت کو نہ جائے جو بھی اس حکم کی مخالفت کرے گا اس کا خون حلال سمجھا جائے گا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے حکم دیا کہ نجف اور کربلا کی عمارتیں بالکل گرا کر زمین کے برابر کر دی جائیں، تمام مقبرے کھود ڈالے جائیں، اور قبر امام حسینؑ کے گرد و پیش کی تمام زمین پر کھیت بو دیے جائیں۔ یہ ناممکن تھا کہ زیارت کے امتناعی احکام پر اہلبیت رسول کے جاں نثار آسانی کے ساتھ عمل کرنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلے میں ہزاروں بے گناہوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ ان میں سے ہر ایک مقتول کا صدمہ امام کے دل پر اتنا ہی ہوتا تھا۔ جتنا کسی اپنے ایک عزیز کے بے گناہ قتل کیے جانے کا صدمہ ہو سکتا تھا۔

پھر آپ ظلم و تشدد کے ایک ایسے ماحول میں گھیر رکھے گئے تھے کہ آپ وقت کی

مناسبت کے لحاظ سے ان لوگوں تک کچھ مخصوص ہدایات بھی نہیں پہنچا سکتے تھے جو اُن کے لیے صحیح فرائض شرعیہ کے ذیل میں اس وقت ضروری ہوں۔ یہ افسوسناک صورت حال ایک دو برس نہیں بلکہ متوکل کی زندگی کے آخری وقت تک برابر قائم رہی۔

اور سُنیے کہ متوکل کے دربار میں حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ کی نقلیں کی جاتی تھیں اور اُن پر خود متوکل اور تمام اہل دربار ٹھٹھے لگاتے تھے۔

یہ ایسا اہانت آمیز منظر ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ خود متوکل کے بیٹے سے رہا نہ گیا اُس نے متوکل سے کہا کہ خیر آپ اپنی زبان سے حضرت علیؑ کے بارے میں کچھ الفاظ استعمال کریں تو کریں مگر جب آپ اپنے کو اُن کا عزیز قرار دیتے ہیں تو ان کم بختوں کی زبانی حضرت علیؑ سے متعلق ایسی باتوں کو کیونکر گوارا کرتے ہیں۔ اس پر بجائے کچھ اثر لینے کے متوکل نے اپنے بیٹے کا فحش آمیز تمسخر کیا۔ اور دو شعر نظم کر کے گانے والوں کو دے جس میں خود اس کے فرزند کے لیے ماں کی گالی موجود تھی۔ گویّے ان شعروں کو گاتے تھے اور متوکل قہقہے لگاتا تھا۔

اسی دور کا ایک اور واقعہ بھی کچھ کم قابل افسوس نہیں ہے۔ ابن السکیت بغدادی علم نحو و لغت کے امام مانے جاتے تھے اور متوکل نے اپنے دو بیٹوں کی تعلیم کے لیے انھیں مقرر کیا تھا ایک دن متوکل نے ان سے پوچھا کہ تمھیں میرے ان دونوں بیٹوں سے زیادہ محبت ہے یا حسنؑ و حسینؑ سے۔ ابن السکیت زمانے کی مجبوریوں سے متوکل کے نوکر ضرور تھے مگر دل میں محبت اہلبیتؑ کی روشنی رکھتے تھے۔ اس سوال کو سن کر بیتاب ہو گئے اور انھوں نے متوکل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے دھڑک کہہ دیا کہ حسنؑ و حسینؑ کا کیا ذکر مجھے تو علیؑ کے غلام قنبر کے ساتھ ان دونوں سے کہیں زیادہ محبت ہے بس اس جواب کا سننا تھا کہ متوکل غصے سے بے خود ہو گیا۔ حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے۔ یہی ہوا۔ اور

اس طرح سے آلِ رسول کے فدائی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

ان واقعات کا براہِ راست جسمانی طور پر حضرت امام علی نقیؑ سے تو کوئی تعلق نہ تھا مگر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب باتیں ایک تلوار کی دھار تھی جو گلے پر نہیں، دل پر چلا کرتی تھی۔ متوکل کا ظالمانہ رویّہ ایسا تھا جس سے کوئی بھی دور یا نزدیک کا شخص اس سے خوش یا مطمئن نہیں تھا حد یہ ہے کہ اس کی اولاد تک اس کی جانی دشمن ہو گئی تھی چنانچہ اسی کے بیٹے منتصر نے اس کے بڑے مخصوص غلام باغر رومی کو ملا کر خود متوکل ہی کی تلوار سے عین اس کی خواب گاہ میں اس کو قتل کرا دیا جس کے بعد خلائق کو اس ظالم السلطان سے نجات ملی اور منتصر کی خلافت کا اعلان ہو گیا۔

منتصر نے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے متشددانہ احکام کو یک لخت منسوخ کر دیا نجف اور کربلا کی زیارت کے لیے عام اجازت دے دی اور ان مقدس روضوں کی کسی حد تک تعمیر کرا دی۔ امام علی نقیؑ کے ساتھ بھی اس نے کسی خاص تشدد کا اظہار نہیں کیا۔ مگر منتصر کی عمر طولانی نہیں ہوئی وہ چھ ہی مہینے کے بعد دنیا سے اٹھ گیا۔ منتصر کے بعد مستعین کی طرف سے امام کے خلاف کسی خاص بدسلوکی کا برتاؤ نظر نہیں آتا۔

امام علیہ السلام نے چونکہ مکان بنا کر مستقل قیام اختیار فرما لیا تھا اس لیے یا تو خود آپ ہی نے مناسب نہیں سمجھا یا پھر ان بادشاہوں کی طرف سے آپ کے مدینہ واپس جانے کو پسند نہ کیا گیا ہو بہرحال جو بھی وجہ ہو قیام آپ کا سامرہ ہی میں رہا۔ اتنے عرصہ تک حکومت کی طرف سے مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے علوم اہلبیت کے طلب گار زیادہ اطمینان کے ساتھ کثیر تعداد میں آپ سے استفادہ کے لیے جمع ہونے لگے۔ جس کی وجہ سے مستعین کے بعد معتز کو پھر آپ سے بدگمانی پیدا ہوئی اور اس نے آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

اخلاق و اوصاف حضرت کی سیرت زندگی اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلۂ عصمت کی ہر فرد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے۔ قید خانے اور نظر بندی کا عالم ہو یا آزادی کا زمانہ ہر وقت اور ہر حال میں یادِ الٰہی، عبادت، خلق خدا سے استغنا، ثبات قدم، صبر و استقلال، مصائب کے ہجوم میں ماتھے پر شکن نہ ہونا، دشمنوں کے ساتھ بھی حلم و مروّت سے کام لینا محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا یہی اوصاف ہیں جو امام علی نقیؑ کی سیرت زندگی میں بھی نمایاں نظر آتے رہیں۔

قید کے زمانے میں جہاں بھی آپ رہے آپ کے مصلے کے سامنے ایک قبر کھدی ہوئی تیار رہتی تھی۔ دیکھنے والوں نے جب اس پر حیرت و دہشت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے دل میں موت کا خیال قائم رکھنے کے لیے یہ قبر اپنی نگاہوں کے سامنے تیار رکھتا ہوں۔ حقیقت میں یہ ظالم طاقت کو اس کے باطل مطالبۂ اطاعت اور اسلام کے حقیقی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے ترک کردینے کی خواہش کا ایک خاموش اور عملی جواب تھا۔ یعنی زیادہ سے زیادہ سلاطین وقت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ جان کا لے لینا۔ مگر جو شخص موت کے لیے اتنا تیار ہو کہ ہر وقت کھدی ہوئی قبر اپنے سامنے رکھے وہ ظالم حکومت سے ڈر کر سرِ تسلیم خم کرنے پر کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ دنیاوی سازشوں میں شرکت یا حکومت وقت کے خلاف کسی بے محل اقدام کی تیاری سے آپ کا دامن اس طرح بری رہا کہ باوجود دارالسلطنت کے اندر مستقل قیام اور حکومت کے سخت ترین جاسوسی نظام کے کبھی آپ کے خلاف کوئی الزام صحیح نہیں ثابت ہو سکا اور کبھی سلاطین وقت کو کوئی دلیل آپ کے خلاف تشدد کے جواز کی نہ مل سکی باوجودیکہ سلطنت عباسیہ کی بنیادیں اس وقت اتنی کھوکھلی ہو رہی تھیں کہ دارالسلطنت

میں ہر روز ایک نئی سازش کا فتنہ کھڑا ہوتا تھا۔

متوکل سے خود اُس کے بیٹے منتصر کی مخالفت اور اُس کے انتہائی عزیز غلام باغر رومی کی اُس سے دشمنی۔ منتصر کے بعد امرائے حکومت کا انتشار۔ اور آخر متوکل کے بیٹوں کو خلافت سے محروم کرنے کا فیصلہ۔ مستعین کے دورِ حکومت میں یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسینؑ بن زید علوی کا کوفہ میں خروج۔ اور حسن بن زید الملقب بہ داعی الحق کا علاقہ طبرستان پر قبضہ کر لینا اور مستقل سلطنت قائم کر لینا۔ پھر دارالسلطنت میں ترکی غلاموں کی بغاوت۔ مستعین کا سامرہ کو چھوڑ کر بغداد کی طرف بھاگنا اور قلعہ بند ہو جانا۔ آخر کو حکومت سے دست برداری پر مجبور ہونا اور کچھ عرصہ کے بعد معتز باللہ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اترنا۔ پھر معتز باللہ کے دور میں رومیوں کا مخالفت پر تیار رہنا۔ معتز باللہ کو خود اپنے بھائیوں سے خطرہ محسوس ہونا اور مؤید کی زندگی کا خاتمہ اور موفق کا بصرہ میں قید کیا جانا۔

ان تمام ہنگامی حالات، ان تمام شورشوں ان تمام بے چینیوں اور جھگڑوں میں سے کسی میں بھی امام علی نقیؑ کی شرکت کا شبہہ تک نہ پیدا ہونا کیا اُس طرزِ عمل کے خلاف نہیں ہے جو ایسے موقعوں پر جذبات سے کام لینے والے انسانوں کا ہوا کرتا ہے۔ ایک ایسے اقتدار کے مقابلے میں جسے نہ صرف وہ حق و انصاف کے رو سے ناجائز سمجھتے ہیں، بلکہ اُن کے ہاتھوں اُنھیں جلاوطنی قید اور اہانتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔ مگر وہ جذبات سے بلند اور عظمتِ نفس کا کامل مظہر دنیاوی ہنگاموں اور وقت کے اتفاقی موقعوں سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا اپنی بے لوث حقانیت اور کردار سے بہت گراں صداقت کے خلاف سمجھتا ہے اور مخالف پر پس پشت سے حملہ کرنے کو اپنے بلند نقطۂ نگاہ اور معیارِ عمل

کے خلاف جانتے ہوئے ہمیشہ کنارہ کش رہتا ہے۔

وفات معتز باللہ کے دور میں تیسری رجب سنہ ۲۵۴ھ کو سامرہ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ کے پاس صرف آپ کے فرزند امام حسن عسکریؑ موجود تھے۔ آپ ہی نے اپنے والد بزرگوار کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے فرائض انجام دیئے اور اسی مکان میں جس میں حضرت کا قیام تھا۔ ایوان خاص میں آپ کو دفن کر دیا۔ وہیں اب آپ کا روضہ بنا ہوا ہے۔ اور عقیدت مند زیارت سے شرف یاب ہوتے ہیں۔

⁂

پبلشر

سید آفاق حسین رضوی

آنریری سکریٹری

امامیہ مشن لکھنؤ

۳۴۵۷۲

مطبوعہ
یوسفی پریس لکھنؤ

رسالہ نمبر ۱۰۸
امامیہ مشن لکھنؤ